۱۔ مجید امجد، شب رفتہ، لاہور: نیا ادارہ، باراول، ۱۹۵۸ء، ص: ۱۰۸

۲۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور فلسفہ تاریخ، لاہور: فکشن ہاؤس، اشاعت اول، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۱۴

۳۔ مجید امجد، شب رفتہ کے بعد، لاہور: مجید امجد میموریل کمیٹی، ۱۹۷۲ء، ص: ۸۳

۴۔ ایضاً، ص: ۲۹۷

۵۔ ایضاً، ص: ۱۷۱

۶۔ ایضاً، ص: ۱۰۹

۷۔ ایضاً، ص: ۵۴

۸۔ ایضاً، ص: ۷۶

☆......☆......☆

حیاتِ سعدیؒ اور مقدمہ شعر و شاعری۔۔۔ایک مطالعہ

معین الدین آزاد

Moin Udin Azad

Ph.D scholar, Department of Urdu,

Oriental College Punjab University Lahore

عمارہ ہاشمی

Ammara Hashmi

M.Phil scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

This essay has a discussion that Molana Hali was the first critic of urdu. His theory about poetry was firstly apear in biography of Saadi and then in "Muqadma Shir o Shairi".His book Hayat e Saadi was neglected by critics due to effective comprehensive detail of criticism on poetry in "Muqadma Shir o Shairi".Hayat e Saadi provides theoratical basis for "Muqadma Shir o Shairi".

اردو زبان کی نثری اور شعری اصناف میں ایک ارتقا اور تنوع پایا جاتا ہے۔ارتقا کا یہ سلسلہ محدود نہیں بلکہ بعض اصناف تو کئی مراحل سے گزرنے کے بعد نکھر کر سامنے آئیں۔کچھ اصناف کو فوری طور پہ قبول عام ہوا اور کچھ پر شدید ردوقدح ہوئی اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔انیسویں صدی کے آخر میں اردو زبان تنقید ایک نئے انداز میں سامنے آئی اور اکیسویں صدی میں اس پر اتنی بحث ہوئی کہ جیسے یہ بھی کوئی الگ صنف ہو۔اکیسویں صدی کے آتے آتے تنقید کو بھی کئی جہتوں میں منقسم کر دیا گیا۔اس کے لیے نظری اور عملی تنقید کے علاوہ اور بھی کئی اصطلاحات استعمال کی جانے لگیں اور نقادوں نے تنقید کو بھی کئی دبستانوں میں تقسیم کر دیا۔جہاں تنقید کے ذریعے تخلیقی رویوں پر روشنی ڈالی گئی وہاں کئی جگہوں پر تنقید خود تخلیق کا درجہ حاصل کرتی نظر آتی ہے۔تنقیدی نظریات ہر ادب میں موجود ہوتے ہیں اور ہر تخلیق کار بھلے وہ شاعر ہو یا نثر نگار خود ایک تنقیدی بصارت رکھتا ہے۔اسی بصارت کے ذریعے وہ اپنے فن پارے کی تخلیق کے دوران اور بعد میں بھی اس کا جائزہ لیتا ہے۔اردو میں یہ تنقیدی نظریات مختلف تذکروں میں نمو پاتے رہے لیکن انیسویں صدی کے بعد ان میں بڑی تیزی سے تبدیلی آئی۔مولانا محمد حسین آزاد کو اس حوالے سے اولیت دی جاتی ہے کیوں کہ ان کے تنقیدی نظریات انجمن پنجاب کے لیکچروں میں واضح نظر آتے ہیں۔وہ 'آب حیات' اور 'سخندان فارس' میں جا بجا ان نظریات کا ذکر کرتے ہیں۔اسی زمانے میں مولانا الطاف حسین حالی کا قیام بھی لاہور میں ہوتا ہے اور وہ بھی ادب کے بدلتے منظر نامے کے ساتھ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔تنقید کے نقش اول کے طور پہ اگرچہ حالی کا نام لیا جاتا ہے لیکن آزاد ان سے پہلے یہ کام شروع کر چکے تھے۔ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''حالی نے بلاشبہ اردو تنقید کو ایک نئی ترتیب دی یہ نظریات ''آب حیات'' میں بھی کسی حد تک موجود تھے لیکن بکھرے ہوئے تھے۔مولانا حالی کے تنقیدی نظریات کی بات کی جائے تو اس کے لیے ''مقدمہ شعروشاعری'' کو موضوع بنایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب ان کی نظری تنقید پر مشتمل ہے اور اس کے دوسرے حصے میں عملی تنقید کے نمونے بھی ملتے ہیں۔اس کے برعکس حالی عملی تنقید کا آغاز پہلے کر چکے تھے جس طرف ناقدین کی توجہ کم گئی ہے اور اگر گئی بھی ہے تو ترتیب میں کئی مغالطے پیدا ہوئے ہیں۔حالی کی عملی تنقید کے نقوش ان کی کتاب ''حیات سعدی'' میں واضح طور پہ نظر آتے ہیں لیکن اس کی تنقیدی حیثیت متعین نہیں کی جاسکی۔اس کی بڑی وجہ ''مقدمہ شعروشاعری'' کی بھرپور پیش کش ہے۔عملی تنقید کے سلسلے میں اولیت ہمیشہ مقدمہ کو ہی دی جاتی رہی ہے۔''(۱)

ڈاکٹر عبادت بریلوی حالی کی عملی تنقید کی ضمن میں لکھتے ہیں:

''حیات سعدی'' کے ضمن میں ناقدین نے کئی مرتبہ زمانی ترتیب کو ذہن میں نہیں رکھا حالاں کہ یہ حالی کی اولین کتاب ہے۔''مقدمہ شعروشاعری' یادگار غالب، حیات جاوید' بعد میں چھپی تھیں۔عملی تنقید کے باب میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے سب سے آخر میں حیات سعدی کا ذکر کیا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ حیات سعدی میں پیش کیے جانے والے خیالات کو مقدمہ کے تنقیدی نظریات کی تکرار کہہ رہے ہوں۔''(۲)

وہ حیات سعدی کا سب سے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔

''یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ''حیات سعدی'' پہلی مرتبہ ۱۸۸۶ء میں چھپی اور ''مقدمہ شعروشاعری'' اس کے ۷ سال بعد منصۂ شہود پہ آئی۔حالی نے جو نظریات مقدمہ میں پیش کیے ان کا عملی اطلاق وہ پہلے کلام سعدی کی جانچ کی صورت میں کر چکے تھے۔حالی نے شاعری کی تمام شرائط کو حیات سعدی میں پرکھا اور ان کے تناظر میں سعدی کے کلام کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش بھی کی۔گویا حالی نے نظری سطح کی بنیادیں حیات سعدی کے دوران عملی تنقید میں

برتیں جنھیں انھوں نے بعد میں مقدمہ کے خام مال کے طور پہ استعمال کیا۔ حالی نے حیات سعدی میں الگ سے کوئی تنقیدی باب نہیں لکھا بلکہ اپنے مباحث کو سعدی کے شعری اور نثری سرمائے پر اظہار خیال کرتے ہوئے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ حالی نے اپنی تنقید کی بنیادیں ادب اور اخلاقیات کے باہمی ربط پر استور کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شعر ونثر میں اسی تخلیقی سرمائے کو زیادہ حیثیت دیتے ہیں جو ان کے نزدیک اخلاقی لحاظ سے انتہائی جاندار اور موثر ترین ہے۔ وہ تنقید کو تعمیری انداز میں استعمال کرتے ہیں اور ذوق کی بالیدگی پہ توجہ دیتے ہیں۔'' (۳)

وارث علوی لکھتے ہیں:

''حالی نے حیات سعدی میں صرف سعدی کا جائزہ نہیں لیا بلکہ انھوں نے فارسی زبان کے چند دیگر فن پاروں کا جائزہ بھی لیا ہے۔ یہ فن پارے فارسی ادب میں کلاسیک کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی نوعیت اخلاقی بھی ہے۔ حالی کی تنقید محض اصلاحی نہیں بلکہ ذوق اور جمالیات پر مشتمل ہے۔ سعدی کی 'گلستان' اور 'بوستان' میں حکایات کے ذریعے اخلاق حسنہ کو ترویج دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالی نے ادب اور اخلاقیات پر اپنی تنقید کی عمارت استوار کی ہے اور یہ اقدار حیات سعدی اور مقدمہ میں غزل کے باب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔'' (۴)

وارث علوی ان کے اسی رویے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حالی نے نظری مباحث کی پیش کش گو مقدمہ میں کی لیکن اس کا اطلاق وہ پہلے حیات سعدی کی صورت میں کر چکے تھے۔ مقدمہ کا پہلا حصہ جہاں نظری ہے وہیں دوسرے حصے میں وہ غزل، مثنوی اور مرثیہ کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے فارسی کے کلاسیکی فن پاروں کا آپس میں تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ حیات سعدی میں وہ آغاز میں فردوسی کے 'شاہنامے' مولانا روم کی 'مثنوی معنوی' اور حافظ کے دیوان کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ یہ تجزیہ مختصر ہے لیکن اس کے بعد وہ سعدی کی 'گلستان' کا جامی کی 'بہارستان' مجدالدین

خوافی کی 'خارستان' اور قاآنی شیرازی کی 'پریشان' کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ان کا یہ انداز تقابلی تنقید کے لیے بھی بنیادیں فراہم کرتا ہے جو آگے چل کر ہمیں مولانا شبلی کی 'موازنہ انیس و دبیر' کی شکل میں واضح نظر آتا ہے۔ حالی نے یہی انداز مقدمہ میں بھی اپنایا ہے۔ یہاں یہ بات اہم ہے کہ وہ مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ پہ زیادہ بات کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس غزل پہ ان کی تنقید کم ہے۔''(۵)

حالی کا شاعری کے متعلق اپنے خیالات حیات سعدی میں جا بجا پیش کرتے نظر آتے ہیں:

''حالی نے اپنی تنقید میں جہاں اپنے ممدوح کی خوبیاں بیان کی ہیں وہیں وہ خامیوں کا جائزہ بھی لیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔مولانا نے شیخ سعدی کی ہزلیہ شاعری کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے لیکن وہ داخلی شہادتوں سے یہ بھی ثابت کرتے نظر آتے ہیں کہ سعدی کا یہ کلام ان کی جوانی کا ہے۔حالی جھوٹ اور مبالغے کو پسند نہیں کرتے لیکن یہ بھی جانتے ہیں کہ مبالغہ مشرقی ادب میں ایک خوبی کے طور پہ شمار کیا جاتا ہے۔جس ادب کی وہ بات کر رہے ہیں اس میں یہ بدرجہ اتم موجود ہے لیکن حالی کو ناخوشگوار نہیں گزرتا کیوں کہ ان کے کیال میں یہاں ایک اعتدال موجود ہے۔یہی اعتدال اس ادب کو ادب عالیہ کا حصہ بناتا ہے۔''(۶)

حالی کے بقول:

''حیات سعدی کے باب میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حالی کی تنقید میں عموماً مقدمہ کو اولیت دے دی جاتی ہے اور اسے عملی اور نظری تنقید کا نقش اول قرار دیا جاتا ہے۔اس کے برعکس حالی اپنے تنقیدی نظریت کو پہلے حیات سعدی میں پیش کر چکے تھے۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ حیات سعدی کو سوانح کے طور پہ لیا جاتا ہے۔یہ بات بھی درست ہے کہ مقدمہ میں نظری مباحث تفصیل سے آئے ہیں لیکن یہ مباحث عملی صورت میں پہلے حیات سعدی کے باب میں رقم ہوئے ہیں۔یہی نہیں حالی نے تقابلی تنقید کو بھی حیات سعدی میں برتا ہے۔مقدمہ شعروشاعری کو اردو تنقید میں اگرچہ نقش اول کا مقام

حاصل ہے لیکن اس کی عملی صورت ہمیں پہلے حیات سعدی میں بھی
نظر آتی ہے۔''(۷)

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اردو تنقید، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۴ء، ص: ۲۷۔۱۲۶

۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۴۷

۳۔ ایضاً، ص: ۱۴۸

۴۔ وارث علوی، حالی، مقدمہ اور ہم، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۰۴

۵۔ ایضاً، ص: ۱۰۵

۶۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، حیات سعدی، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۴۸

۷۔ ایضاً، ص: ۱۳۲

☆......☆......☆

منظور راہی کے افسانے ''فصیلیں اور رشتے'' کا تنقیدی جائزہ

شکیلہ پروین
Shakeela Parveen

Scholar M. Phil, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Munzor Rahi is a symbolic short story writer and an awarded T.V. play writer. His first book of short stories "Banjh Mosamoon Ka Safar" was published in 2013 by Fiction House Lahore. In this short story "Faseelain Aur Rishtay", he uses different symbols to reflects the problems of routine family life which is affecting humanity and human values.

فن کار کا کام اپنے اندرونی احساس کا عرفان حاصل کرنا ہے اور اس ڈرامے کا نظارہ کرنا ہے جو خود اور سماج کے تصادم سے اخلاقی طبقاتی اور سیاسی سطح پر کھیلا جا رہا ہے۔ منظور راہی کے افسانوں پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ واقعی فن کار کے لئے اپنے تجربے کی سچائی تک پہنچنا اور پھر اسے اپنی پسلی سے جنم دینا اس کی فن کاری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ منظور راہی ایک ایسے تخلیق کار ہیں جو اپنے عہد کی سچائیوں، دکھوں اور احساسات و جذبات کو نئی احساسیت کے ساتھ ایسے تخلیقی عمل کی قوس قزح کا روپ دیا ہے۔ جس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہی تخلیق کار کی کامیابی کا بین ثبوت ہے۔

منظور راہی نے اب تک ۱۲۹ افسانے لکھے جس میں ایک اُردو افسانوی مجموعہ ''بانجھ موسموں کا سفر'' جو تئیس افسانوں پر مشتمل ہے۔ اور چھ افسانے جو اُردو اور پنجابی زبان میں رسالہ کا تھولک نقیب میں چھپے۔ منظور راہی کے افسانوی مجموعہ پر بات کی جائے تو یہ ان کے تمام افسانے اپنے اندر زبان اسلوب اور ابلاغ کی سطح پر کوئی مانوس فضا اور تال میل پیدا کرنے کے بجائے ایک خاص طرح کا انتشار پیدا کرتے ہیں۔ جس میں اُردو افسانے کے مختلف اسالیب مدغم ہوتے اور فضا کو غیر روایتی بناتے ہیں۔
منظور راہی کے افسانوں کے بارے میں احمد عقیل روبی کہتے ہیں:

> ''منظور راہی کا کمال یہ ہے کہ وہ فقرہ اس طرح مرتب کرتا ہے کہ جملے کی بنت آپ کو چونکا کے رکھ دیتی ہے اور پھر آپ جملوں کی جھالریں اُٹھا اُٹھا کر ان میں چھپے معانی جاننے لگتے ہیں۔''(۱)

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

> ''منظور راہی کی ہر کہانی کا وصف یہ ہے کہ وہ منظور راہی کے اسلوب میں چھپی ہوئی ہے جوں جوں کہانی آگے بڑھتی ہے جملوں میں

سرسراتی کہانی قاری پر واضح ہوتی رہتی ہے بس قاری کی توجہ اور
یکسوئی چاہیے۔'' (۲)

منظور راہی ایک افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے علامت نگار بھی ہیں۔اس لئے ان کے زیادہ افسانے علامتی نوعیت کے ہیں۔فصلیں اور رشتے بھی انہی افسانوں میں سے ایک ہے۔ اس علامتی افسانے میں لوگ حقیقی رشتوں کی قدر و قیمت بھول چکے ہیں۔منظور راہی نے اس افسانے میں نہ صرف معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو بیان کیا ہے۔ بلکہ اپنی ذات کو بطور ایک کردار پیش کیا ہے تا کہ یہ محسوس کر سکے کہ کس طرح رشتے ایک ساتھ الجھتے اور جال بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ حقیقت کو ظاہری آنکھ سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ باطن کی آنکھ سے بھی دیکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ افسانہ تین کرداروں پر مشتمل ہے ایک بڑی آپی دوسرا منجھلا بھائی جو مصنف خود ہے جس کے جسم پر پیدائشی طور پر ماس کے کچھ فاسد ٹکڑے اُگے ہیں جن سے مصنف کسی طور پر بھی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔اور تیسرا کردار چھوٹا بھائی ہے جنہوں نے ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے مگر حیران کن بات یہ ہے کہ تینوں کردار رشتوں کی سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود بھی ایک دوسرے کو پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔مصنف جب اپنی آپی سے بہن بھائی کے اس حقیقی اور مقدس رشتے کو منوانے کی کوشش کرتا ہے اور آپی کے گھر جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس رشتے کی پہچان بھول چکی ہوتی ہے بلکہ مصنف کو نظر انداز کر دیتی ہے۔تو مصنف بہن کا یہ رویہ دیکھ کر نہ صرف پریشان ہوتا ہے بلکہ اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ جسم کے فاسد ٹکڑے اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہو اسی دوران وہ اپنے چھوٹے بھائی کو فون کرتا ہے تا کہ خود کو دلاسہ دے سکے کہ وہ اس دُنیا میں اکیلا نہیں ہے یہاں منظور راہی افسانے میں بطور کردار اپنے اوپر طاری کیفیت کو بیان کرتے ہیں:

''میں نے ہمت پیدا کر کے جیب سے اپنا موبائل نکالا...... اور
چھوٹے بھائی کا نمبر ملایا کافی دیر انتظار کے بعد چھوٹے بھائی کی
آواز اُبھری......ہیلو......ہیلو......کون؟ میں مسلسل ہیلو......ہیلو کیے
جا رہا تھا۔آخر اس نے اپنا موبائل بند کر دیا......میں مزید پریشان
ہو کر سوچنے لگا اس نے ضرور میرا نمبر پڑھ لیا ہو گا میرے لبوں پر پھر
یہ سوال مچلنے لگا۔'' (۳)

بھائی سے بات کرنے کے بعد مصنف کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔اور اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ وجودی اور روحانی آشوب کے مسائل کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ان مسائل کا اظہار اور اپنا ذہنی بوجھ ہلکا کرنے کے لئے خود سے کتنے ہی سوال کرتا ہے۔

''میں کون ہوں؟ کیا میں ان کا بھائی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ مجھ میں

کوئی کمی ہو یا تبدیلی کا عمل جاری ہو۔ مگر مجھے تو اپنے آپ میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہو رہی۔ لیکن ان کے رویے کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ضرور ان میں تبدیلی آ گئی ہے یا بھائی شاید کسی پریشانی کے باعث فون نہ سن سکتا ہو۔'' (۴)

اس طرح خود سے چند سوال کر کے اپنے اندر پیدا ہونے والے وسوسوں کو آگ میں جھونک دینے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ منظور راہی نے حقیقی رشتوں کی اس ٹوٹ پھوٹ کو علامت نگاری میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

''میرے جسم پر فصیلیں ہیں جو دریچوں کے اندر جانے سے روکتی ہیں۔'' (۵)

مصنف اس افسانے میں منجھلا بھائی ہونے کی حیثیت سے نہ صرف حقیقی رشتوں کی قدر و قیمت جانتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ سب بہن بھائی پیار و محبت سے رہیں۔ خود غرض، خود فریبی اور خود شناسی جیسی بری عادات سے خود کو محفوظ رکھیں مگر مصنف اپنے بہن بھائیوں کو اس کے برعکس پاتا ہے۔ کیونکہ ان کی آنکھوں پر عقل وفہم اور نفرت و تفریق کی پٹی بندھ چکی ہے۔ مصنف راستے میں ایک خارش زدہ کتوں کا غول دیکھتا ہے جس سے پورا شہر اس خارش جیسی وبا کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک مصنف ہی ہے جو اس بیماری سے بچا ہوا ہے۔ اس بیماری سے محفوظ ہونے کے باوجود زخموں سے چور ہے کیونکہ سب ایک ساتھ ہونے کے باوجود بھی جسموں پر فصلیں اٹھائے اپنے اپنے رشتوں کا متلاشی ہے۔

''فصیلیں اور رشتے'' علامتی افسانہ ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع اور فن دونوں لحاظ سے بہت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ اس افسانے میں تمام کردار فطری معلوم ہوتے ہیں جو وقت ماحول اور حالات کے مطابق بدلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس میں حقیقت پر مبنی ایسے حالات کی عکاسی کی گئی ہے جس میں حقیقی رشتوں کی قدر و قیمت ختم ہو چکی ہے اور انسانی رشتوں میں ایسی دراڑیں پڑ چکی ہیں کہ ان کو پہچاننے کے باوجود بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ حالانکہ رشتوں کی سوجھ بوجھ ہوتے ہوئے بھی ان رشتوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس افسانے میں تین کردار ہیں ایک بڑی بہن کا اور دو بھائی جن میں انسانی رشتے اپنی بساط و اقدار رکھنے کے باوجود بھی الجھاؤ، بکھراؤ، ادھورے پن اور انتشار کے دور سے گزر رہے ہیں اِن میں اتحاد و اتفاق ختم ہوتا جا رہا ہے۔ تہذیبی و اخلاقی قدریں پامال ہو چکی ہیں۔ حقیقی رشتوں میں اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ اس افسانے میں منظور راہی نے ایسے مکالموں کا استعمال کیا ہے جو جذباتی و نفسیاتی کیفیات کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں اس میں ایسی فصیلوں کا ذکر کیا گیا ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب نہیں آنے دیتیں کیونکہ حقیقت پر مبنی رشتے خود غرضی، خود فریبی اور خود ستائشی کی

رسی کو تھام کر اندھے کنوئیں میں اتر رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں احساس باہمی ربط، نظم وضبط ختم ہو چکا ہے اور انسانی قدریں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ وہ پاکیزہ جذبات جو انسانی رشتوں کو جوڑے ہوئے تھے وہ دلوں میں ہی دفن کر دیئے گئے ہیں۔ جیسے بڑی بہن اپنے بھائی کی آمد پر خوش ہونے کی بجائے کولیگ کے فنکشن کو زیادہ ترجیح دیتی ہے اور دوسری طرف چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی عزت واحترام کرنے کی بجائے یہ تلخ الفاظ منہ پر مارتا ہے کہ کبھی کبھار فون کر دیتے ہو تو مس کال نہ کیا کرو۔ اس بے رخی اور تلخ رویوں کی بدولت مصنف کے جسم پر اُگے ہوئے فاسد ٹکڑوں میں درد بڑھ جاتا ہے یہ ٹکڑے دراصل وہ فصیلیں ہیں جو مصنف اور اس کے بہن بھائیوں کے درمیان حائل جو رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں حالانکہ جسم پر اُگے ہوئے یہ فاسد ٹکڑے دیکھنے میں بالکل صاف وشفاف ہیں۔

منظور راہی نے ایسی علامتوں کا استعمال کر کے نہ صرف مختلف سماجی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ ایسا ماحول تخلیق کیا ہے جس سے علامت اپنا مفہوم قاری کے سامنے کھولتی ہو اور ایسے ماحول کی عکاسی کرتی ہو جو حقیقت پر مبنی ہو۔ اس کا اشارہ اس علامت کی طرف ہے جو مصنف کے جسم پر اُگے ہوئے فاسد ٹکڑے جو اس افسانہ میں اُس پریشانی کو ظاہر کرتے ہیں جس کا مصنف کو شروع دن سے ہی سامنا کرنا پڑتا ہے اب تو یہ نوبت آگئی ہے کہ اس پریشانی کو جس حد تک ختم کرنے کی کوشش کی جائے یہ پریشانی ایسی ہے کہ ختم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہے کیونکہ یہاں حقیقی (خونی) رشتے پامال ہو چکے ہیں۔ اور اپنی پہچان ''نام''، تشخص کھو چکے ہیں۔ نفرت وتفریق کا عالم اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بہن بھائی حقیقی رشتوں کو پہچاننے کی بجائے انجان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ مصنف اپنے بہن بھائیوں کے کیے گئے سلوک سے اس قدر بکھر چکا تھا کہ خود کی ڈھارس بندھانے کے لیے ان الفاظ کا سہارا لیتا ہے کہ جب دل ودماغ اور خون کے راستے مسدود ہو جائیں تو انسان اپنے جینے کا راستہ بھی کھو دیتا ہے اور مایوسی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ یہی حال اس کے بہن بھائیوں کا ہے جو نہ صرف رشتوں کی قدر وقیمت بھول چکے ہیں بلکہ ان دیکھے راستوں سے دل میں اترنے کے ہنر سے بھی محروم ہیں۔

افسانے میں خارش زدہ کتوں کا غول ان لوگوں کی نشاندہی کر رہا ہے جو رشتوں میں دراڑیں ڈالتے ہیں اور لوگوں میں نفرت وتفریق کے عمل کو اس قدر مضبوط کر رکھا ہے کہ لوگ حقیقی رشتوں کے معنی تک بھول گے ہیں۔ ان کے عقل وفہم کی آنکھ پر نفرت کی پٹی باندھ دی گئی ہے کہ وہ صحیح اور غلط میں فرق تک محسوس نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں سے نہ صرف چھٹکارا پایا جائے بلکہ اپنے ملک کو بھی ان سے پاک کیا جائے۔ کیونکہ ہمارا معاشرہ دن بدن ان کی لپیٹ میں آتا جا رہا ہے۔ ہے۔ مصنف جو ان نفرت پھیلانے والے گروہ سے بچا ہوا ہے کیونکہ اس میں سوچنے، سمجھنے، صحیح اور غلط میں فرق روا رکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ابھی تک اس کے عقل وفہم پر نفرت وتفریق کی پٹی نہیں بندھی۔ اگر مصنف خود اپنی ظاہری آنکھ وقتی طور پر بند بھی کر لے مگر پھر بھی اس کی اندر کی آنکھیں ہر وقت تمام منظر دیکھتی رہتی ہیں کہ معاشرے میں کیا